© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

پاکستان اور ہندوستان کے بہت سے علمی اداروں اور اہل قلم نے شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ و حکمت کی نشر و اشاعت کے لئے اکیڈمی جیسے ایک مرکزی اشاعتی اور تصنیفی و تحقیقی ادارے کے معرض وجود میں آنے کا خیر مقدم کیا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد اداروں اور کئی ایک اہل قلم نے ہمیں اپنی ان اشاعتی و تصنیفی کوششوں سے بھی مطلع کیا ہے، جو وہ شاہ صاحب اور ان کے خانوادۂ علمی کی کتابوں کی طباعت و اشاعت اور ان کے تراجم کے ضمن میں کر رہے ہیں۔ گودھرا (گجرات کاٹھیاواڑ) کے ایک بزرگ شاہ ولی اللہ کی ایک کتاب المسوّی کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔ حیدرآباد دکن کے ایک صاحبِ علم نے "الطاف القدس" کا اردو ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ گوجرانوالہ کا مدرسہ نصرۃ العلوم شاہ رفیع الدین کے متعدد رسائل شائع کر چکا ہے مجلسِ علمی کراچی نے بڑے اہتمام سے اور نہایت اچھے نسخ ٹائپ میں شاہ اسمٰعیل شہید کی تصوف و حکمت پر مشہور عربی کتاب "العبقات" چھاپی ہے اور مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کا کیا ہوا اس کا اردو ترجمہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے، کئی ایک ناشرین کتب شاہ ولی اللہ اور ان کے سلسلے کے بزرگوں کی تصنیفات اصل عربی اور فارسی میں نیز ان کے ترجمے اردو میں چھاپ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مغربی پاکستان کے بعض عربی دینی مدارس شاہ صاحب کی کتابوں کو اپنے نصاب میں باقاعدہ طور سے شامل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں تو اس برصغیر میں اہل علم کی شروع ہی سے ولی اللٰہی علوم کی طرف توجہ رہی ہے اور اسی زمانے سے شاہ صاحب کی کتابوں کے اردو میں ترجمے بھی ہو رہے ہیں لیکن اب کچھ عرصہ سے برصغیر میں جو نئے حالات رونما ہوئے ہیں اور سیاسی آزادی کے حصول کے بعد مسلمانوں پر داخلی اور خارجی ہر دو سمت سے نئے افکار و خیالات کی یورش شروع ہوئی ہے اس کی وجہ سے شاہ صاحب کے علوم کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہو رہی ہے اور چونکہ موجودہ حالات میں نئے افکار و خیالات کی یورش اور بڑھے گی اور اس سے تدریجاً ذہنوں میں حرکت، اضطراب اور بے چینی بھی پیدا ہوگی، اس لئے ظاہر ہے شاہ ولی اللہ اور ان جیسے عظیم مفکرین اسلام کی کتابوں کی طرف مسلمانوں کا اور زیادہ رجوع ہوگا۔ وہ زیادہ چھپیں گی اور ان کے مختلف زبانوں میں بکثرت ترجمے ہوں گے۔

"الرحیم" کی یہ کوشش ہوگی کہ جہاں تک ممکن ہے، وہ ان تمام علمی و اشاعتی سرگرمیوں کا احصاء کرتا رہے۔ اپنے قارئین کو ولی اللٰہی فکر پر اور اس سے متعلق حضرات کے بارے میں شائع ہونے والی کتابوں سے باخبر رکھے اور حتی الوسع ان کا جائزہ لیتا رہے۔ یہ اکیڈمی پاکستان اور ہندوستان دونوں میں شاہ ولی اللہ اور ان کے مکتب فکر پر تصنیفی و تحقیقی کام کرنے والوں کے درمیان اگر اس طرح کے علمی رابطے کی خدمات سرانجام دے سکے تو اسے یہ اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھے گی۔

اس سلسلے میں ایک عام شکایت یہ ہے کہ اس وقت تک شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے جو اردو ترجمے ہوئے ہیں، ان میں اکثر و بیشتر اتنے ہی مشکل اور غامض ہیں، جتنی کہ خود اصل کتابیں ہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو اصل کتابوں سے زیادہ دقیق اور عسیر الفہم ان کے یہ اردو ترجمے ہیں۔ اب اگر شاہ صاحب کی تعلیمات اور خصوصاً ان کی حکمت کو عام کرنا ہے، تو ضرورت ہے کہ ان کی کتابوں کے ترجمے ملک کی تمام زبانوں میں ہوں، اور عام فہم اور آسان اسلوب میں ہوں تاکہ عام پڑھے لکھے اصحاب جنہیں تھوڑا بہت علمی و دینی شغف ہے، اور وہ فکر ولی اللٰہی کو سمجھنا چاہتے ہیں ان کا مطالعہ کر سکیں۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ آج کے ذہنوں اور شاہ صاحب نے دو سو سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبل جس ماحول، زبان اور پیرایۂ بیان میں اپنے خیالات و افکار پیش کئے تھے، اس کے درمیان جو قدرتی خلا پیدا ہو چکا ہے، اسے اس طرح پُر کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان کتابوں کے مترجم محض لفظی ترجمے پر اکتفا نہ کریں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب کے مطالب کی تشریح ہو، اور انہیں آج کے فکری و اجتماعی پس منظر میں پیش کیا جائے۔ فکر ولی اللہی سے حقیقی ذہنی ربط صرف اسی صورت میں ممکن ہے اور عام قاری اسے اسی طرح ہی اپنا سکتے اور انفرادی و اجتماعی عمل کے لئے مشعل ہدایت بنا سکتے ہیں۔

ہمارے خیال میں اگر شاہ صاحب کی کتابوں کے اس طرح ترجمے ہوں۔ اور ان کی تعلیمات اور حکمت کو آج کی زبان میں اور آج کے دینی و روحانی اور علمی و اجتماعی و معاشی تقاضوں کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ تو فکر ولی اللہی کی طرف ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کا عام رجوع ہو سکتا ہے اور وہ بالخصوص اس ملک میں اسلامی فکر و نظر کی ایک اہم بنیاد بن سکتا ہے۔ ہم اس سے پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ دین کی تعبیر و تشریح میں کسی خاص مکتب فکر کی اجارہ داری کے ہم قطعاً حامی نہیں ہیں۔ اور آزاد خیالی کے اس زمانے میں لوگوں کو اس کی دعوت دینا تو انتہائی بے سمجھی ہوگی بے شک اس برصغیر میں شاہ ولی اللہ دین اسلام کے ایک بہت شارح ہیں اور ان کی یہ تشریح و تعبیر اس لئے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ ان کی اپنی ایک جامع شخصیت تھی اور انہوں نے اسلام کو اسی جامعیت کے نقطۂ نظر سے دیکھا لیکن اس برصغیر میں اور اس سے باہر گزشتہ صدیوں میں بڑے بڑے مجتہد، عالم، حکیم اور مفکر گزر چکے ہیں۔ فکر ولی اللہی کے تخصیصی مطالعے کے ہرگز یہ معنی نہیں ہونے چاہئیں کہ ہم اُدھر سے آنکھیں اور دماغ بند کر لیں اور تصوف کے عقیدہ۔ "توحید فی الشیخ" پر علم و فکر کی دنیا میں بھی عامل ہوں بہرحال اس سلسلے میں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اگر ہمارے ہاں اس طرح فکر ولی اللہی کا تحقیقی مطالعہ شروع ہو جائے تو یہ ایک نقطۂ آغاز ہو سکتا ہے دوسرے بزرگان دین کے افکار و تعلیمات کے تحقیقی مطالعے کا کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے جہاں ان تمام علمائے عظام سے استفادہ کیا۔ جو ان سے پہلے ہوئے اور ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے افکار سے انتخاب کر کے اپنے فکر کی عمارت تعمیر کی۔ وہاں انہوں نے ان کے افکار کا تنقیدی جائزہ بھی لیا۔ اسلام کے مجموعی نقشے میں ان کی جگہ معین کی اور ان میں آپس میں جو تضادات تھے، ان کی تشریح کی۔ اور ان میں مطابقت پیدا کی۔ اگر ہمارے ہاں اسلام کی دینی تاریخ اور اس کے مختلف مذاہب و مکاتب فکر کے اس طرح کے مطالعے کا رجحان فروغ پا سکے تو اس سے ایک تو مذہبی فرقوں کی موجودہ مخاصمتیں کم ہو جائیں گی اور دوسرے آج کل اسلامی مباحث میں عام طور سے جو سطحیت، تنگ نظری، ہنگامہ پسندی اور وقت پرستی آ گئی ہے۔ اس کا تدارک ہو سکے گا۔ اور ان مباحث میں ایک حد تک عمق، وسعت اور اس کے ساتھ ساتھ تفکر بھی پیدا ہوگا۔ جس کی کہ اس وقت ہمیں بڑی ضرورت ہے۔

بات یہ ہے کہ ہماری حالیہ تاریخ میں ایک دور وہ تھا کہ ہم مسلمانوں کی غیر ملکی اور غیر مسلم تسلط کے خلاف جو سیاسی جدوجہد ہو رہی تھی، اس میں سب سے بڑا محرک اور فعّال جذبہ اسلام کا تھا اور نہ صرف عوام بلکہ خواص تک کے لئے بھی اس کی حیثیت ایک "رجز" کی تھی کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو جنگ آزادی میں ثابت قدم رہنے پر اُبھارا جاتا تھا۔ آزادی کے حصول اور اس کے نتیجے میں غیر ملکی اور غیر مسلم تسلط کے ختم ہونے کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ اور اب اسلام کو "کفار" کے خلاف بطور "رجز" کے استعمال کرنے کی ضرورت نہ رہی، آزادی کے فوراً بعد بعض جماعتوں نے اسلام کو خود مسلمانوں کے خلاف بطور "رجز" استعمال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئیں۔ پھر انہوں نے اپنی وقتی سیاسی ضرورتوں کو اسلام کا نام دیا۔ اور اس سے اپنے جماعتی مصالح کی تائید میں دلائل اخذ کرنے لگیں اور اس طرح اسلام جو ساری انسانیت کے لئے اخوت، مساوات، حق و انصاف اور فلاح عامہ کا پیغام تھا۔ وہ ان جماعتوں کے ہاتھ میں محدود قسم کی حزبی سیاست کا آلۂ کار بن گیا۔ یقیناً سمجھدار اور باشعور طبقوں میں اس کے خلاف ردِّ عمل ہونا تھا اور وہ ہوا۔ اس پر مستزاد یہ کہ پچھلے چند سالوں میں ہمارے ہاں بعض بڑی دُور رس سیاسی اور معاشی تبدیلیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی ہیں۔ نیز ملک میں آزادی کے فوراً بعد جو صنعتیں قائم ہونا شروع ہوئی تھیں، ہماری سماجی زندگی میں اب ان کے نتائج سامنے آرہے ہیں غرض اب ہمارے نہ وہ مسائل ہیں، جو آزادی سے پہلے دورِ غلامی میں تھے۔ اور ان مسائل کی نوعیت بھی یکسر بدل گئی ہے، جن سے ملک کو آزادی کے دس بارہ سال تک واسطہ رہا۔ فرد اور جماعت کے پرانے رشتے بسرعت ٹوٹتے جارہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ سماج کی پہلی اخلاقی بندھنیں بھی کمزور پڑ رہی ہیں، پرانا طبقاتی توازن ختم ہو رہا ہے اور نئے گروہ اقتدار میں آتے جاتے ہیں۔ اب جوں جوں صنعت و تجارت کا دائرہ وسیع ہوگا سماج کے رنگ ڈھنگ بھی بدلیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو نئے سماجی، معاشی اور ذہنی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قدرتی بات ہے کہ جب حالات ہمیں ان مسائل کے حل ڈھونڈنے پر مجبور کریں گے اور ہمیں اس بارے میں سوچنا پڑے گا، تو ہماری سوچ کا رخ لامحالہ اسلام کی طرف ہوگا۔ اور ہم اسی سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشاں ہونگے اب یہ مسائل جن کے ہمیں حل ڈھونڈنا ہوگا ٹھوس اور سنگین مسائل ہیں اور یہ واضح، معین اور ممکن العمل حل چاہتے ہیں۔ یہاں جذبات پرستی، نعرہ بازی اور رجز خوانی سے کام نہیں چلے گا۔ تاریخ اسلام پر تنقیدی نظر ڈالنی ہوگی اس کے ساتھ ساتھ عہد حاضر اور اسکے علوم سے باخبر ہونا ضروری ہوگا۔ اور تاریخ کا رخ کدھر کو ہے۔ اس کا اندازہ کرنا بھی پڑے گا۔

بے شک ہم مسلمانوں کے لئے اسلام کیساتھ جذباتی اور نظریاتی ارتباط ضروری اور لابدی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ آج اسلام کو ہماری عملی زندگی میں ایک تعمیری، تخلیقی اور اخلاقی کردار بھی ادا کرنا ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم اسلام کا ایسے نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں کہ جہاں وہ ہمیں باطنی سکون و اطمینان عطا کرسکے، وہاں اس کی مدد سے ہمیں اپنے مسائل کے حل بھی مل سکیں۔ وہ صرف "نظریۂ حیات" اور "آئیڈیالوجی" ہی نہ ہو، بلکہ ہمیں اپنے لئے "نظام حیات" کی تشکیل میں بھی مدد دے اور ہماری رہنمائی کرے۔

ہمارے ہاں بعض لوگوں کو "احیاء" اور "تجدید" کی اصطلاحوں سے بڑی چڑ ہے۔ اور وہ ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاحی اور تعمیری کوششوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں، جن میں حال کو ماضی سے مکمل طور پر منقطع کئے بغیر مستقبل کی راہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ اور قومی شیرازے کی روایات کا حتی الوسع تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمود کے معنی موت کے ہوتے ہیں اور ہر وقت نظریں پیچھے رکھنا قوم کو کہیں کا نہیں رہنے دیتا، لیکن آگے قدم بڑھاتے ہوئے پیچھے نہ دیکھنا یا اس کا خیال نہ رکھنا کہ جن کے ہم آگے چل رہے ہیں، وہ ہمارے ساتھ بھی ہیں یا نہیں، زیادہ دانشمندی کی بات نہیں ہوگی۔ اس ضمن میں مصطفےٰ کمال اتاترک اور اس کے انقلابی اقدامات ہمارے لئے ایک سبق ہیں مرحوم نے ترک قوم کو زبردستی "یورپین" بنایا۔ اسے "فرسودہ ماضی" سے یک قلم آزاد کرنے کی کوشش کی۔ اس کا لباس بدلا، قانون بدلا، زبان کا رسم الخط بدلا اور اس کے سماجی اطوار بدلے۔ لیکن ان اقدامات نے ترک قوم کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے کہ اب ایک طرف روشن خیال اور یورپین اقلیت ہے اور دوسری طرف قدامت پسند اکثریت، اور دونوں میں خانہ جنگی کے سے حالات پیدا ہو گئے ہیں، اس سے آج ترکوں کے سمجھ دار طبقے خود پریشان ہیں۔ سیاسی انقلابات کی تو بات دوسری ہے۔ لیکن جہاں تک سماجی انقلابات یا دور رس تبدیلیوں کا تعلق ہے، انہیں بروئے کار لانے کے لئے عوام کی اکثریت کی نہ سہی، لیکن ان کے ایک کافی بڑے حصے کی رضامندی اور دلی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور انہیں یقین دلانا پڑتا ہے کہ ان اقدامات سے ان کی انفرادی، جماعتی اور قومی شخصیت کی نفی نہیں ہوگی، بلکہ ماضی کے جن باقیات صالحات کو وہ اچھا سمجھتے ہیں اور جو ان کے ہاں "معروف" کا درجہ رکھتی ہیں، یہ اقدامات دراصل ان کے خلاف نہیں، خواہ ظاہری طور پر انہیں ان میں کچھ اختلاف نظر بھی آتا ہے۔ اسے آپ احیاء پرستی کہیں یا تجدید، اگر سیاسی و سماجی اصلاح خود قوم کے اندر سے ہوتی ہے اور اسے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی طرح غیر ملکی طاقت کے ہاتھ سے اوپر سے تھوپا نہیں جاتا تو احیاء اور تجدید کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ ہمارے نزدیک آج مسلمانوں کو اپنے سماج اور ذہن و فکر میں جن دور رس تبدیلیوں کی ضرورت ہے، اور ہم مانتے ہیں واقعی ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ضرورت ہے۔ اس احیاء و تجدیدیں فکر ولی اللٰہی ایک مشعل کا کام دے سکتی ہے اور اسلام کی جو تعبیر اس میں کی گئی ہے اس کے طفیل ہم ماضی کی باقیات صالحات کو برقرار رکھتے ہوئے کامیابی سے آگے بڑھ سکتے ہیں،

آج کی سائنٹفک زندگی کے تقاضوں سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور انسانی افکار جس سرعت سے ترقی کر رہے ہیں، ان کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انہیں کس طرح اپنایا جائے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ اپنے ماضی کو دورِ جاہلیت قرار دیکر اس سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ ماضی کی اچھی باتوں کو برقرار رکھتے ہوئے نئی زندگی کو اپنا لیا جائے۔ اس طرح ہم اپنی قومی و ملی شخصیت قائم رکھ کر ترقی کر سکیں گے اور پہلی صورت میں ہماری مثال اس کشتی کی ہوگی جس کا لنگر ٹوٹ گیا ہو، اور وہ سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پر ہو، شاہ ولی اللہ اور ان جیسے مفکرین اسلام کی تعلیمات ہمیں دوسری صورت کے اختیار کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے ریسرچ پروفیسر مولانا غلام مصطفٰے قاسمی صاحب حج سے بخیریت واپس تشریف لے آئے ہیں، وہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور حجاز مقدس کے دوسرے شہروں کی زیارت کے بعد اردن، لبنان، شام اور عراق بھی گئے، وہاں کے مشہور علماء سے ملاقاتیں کیں تاریخی کتب خانے دیکھے، اور انہیں اس سفر میں ان اسلامی ملکوں کی علمی، فکری و اجتماعی سرگرمیوں کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ مولانا موصوف نے الرحیم میں اپنی اس سیاحت کے تاثرات لکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

© rasailojaraid.com